

لے زنی کی شریف شوہروں میں

رکھتے ہیں گویا اپنے ہاتھوں اپنی زندگی کے باہر تماز رز
رعایتوں، خوبصورتیوں کے لیے "نوادری" کا بورڈ
دستے ہیں۔

چکھ مرد "فطری" طور پر شریف ہوتے ہیں۔

ایسے شوہروں کی تعداد ابے حد کم ہوئی ہے اور
لیے نہیں کہ دنیا میں پیدائشی اور فطری طور پر شریف
انسان بہت کم ہیں۔ بلکہ اس لیے ان میں سے گنتی کے
چند ایک ہی ہوتے ہیں جن کو شوہر کے درجے تک
پہنچنا نصیب ہوتا ہے ان کی شرافت کے ذمکنے پرے

میں ایک شریف شوہر ہوں۔
اور میرا خیال ہے ننانوے فیصلہ شوہر شریف ہی
ہوتے ہیں۔ یہ الگ بات کہ کوئی ان کی شرافت کو تعلیم
پر کسے یاد نہ کرے۔

اور یہ بھی ایک الگ ہی معاملہ ہے کہ ان ننانوے
یقینہ شوہروں کی شرافت کی بھی تقریباً ننانوے اقسام
ہوتی ہیں۔ ہر قسم کا ہر طرح کا شریف شوہر ہے۔
جیسے کہ چکھ مرد "بنیادی" طور پر شریف ہوتے
ہیں۔

یہ شریف شوہروں کی وہ قسم ہے جس میں شوہر
حضرات اپنی شادی شدہ زندگی کی بنیاد ہی شرافت پر
ماں اپنی بیٹیوں کو ان کی قدرتی شرافت کی بھیث

ناولیٹ،

چڑھانے کے بجائے گھر بھانا زیارت پسند کرتی ہیں۔

اور ایک ہوتے ہیں تجرباتی قسم کے شریف شوہر جسے کوئی نوسوجو ہے کھا کے بچ کو جاتا ہے، اسی طرح پچھے مروا یے بھی ہوتے ہیں جو کمی سالوں تک کامیابی سے زمانے بھر میں "البیانے" کے بعد شادی کرنے شرافت کا لینا اور ہلیتے ہیں۔

ایک قسم ہوتی ہے حادثاتی قسم کے شریف شوہروں کی اور ایک ہوتے ہیں مجرماتی شریف شوہر۔ دیے تو یہ لست خاصی بھی ہوتی جلی جائے گی اور آپ بھی اس زبانی کلامی تشریع سے مطمئن ہونے والے نہیں۔ کیوں نہ آپ سب کا تعارف ان تمام اقسام کے شوہر حضرات سے کرایا جائے دور کیوں جائیے، میں اپنے حلقت سے یہ تعارف شروع کرتا ہوں۔

ہمارا چار کاٹولہ کالج کے نامنے سے مشہور ہے، ہر دور میں اس شہرت کی وجہ اور رہی ہے۔ آج کل ہم چاروں "شریف شوہروں" کی حیثیت سے مشہور ہیں۔

یہ آپ اب جان لیں گے۔ جسے ہم چاروں کاٹولہ مشہور ہے، اسی طرح ان چاروں کی نولی۔ آئیے ایک "تجھاتی" اور بھی مارتے ہیں۔

وہ چارے یعنی ہم چار یاروں کی گھروالیاں۔ نصف سترن..... (ہسترن جمع بھترن، ہی ہوتا ہے نا؟) "میرا صرف نام ہی نہیں بلکہ خطاب بھی "مجاہدہ" ہونا چاہیے۔" یہ مطالبة مجہدہ کر رہی تھی۔ مجہدہ، نعمان کی یوں۔

"نعمان جسے شخصی کے ساتھ عمر سکنے کو سالانہ گزارنا" (زمانہ زمانی) ہے ہم سترن میں۔ یہ خطاب میرا کی سے۔" (زمانہ زمانی) اور ترکار کو مجہدہ کا سرکاری نامیں لکھنے سید، کامیابی کے رنگ کی ٹکمع نظر مترة اخبارہ سالہ چھونو سنو لے رنگ کی ٹکمع نظر والی پھر تسلی سی لڑکی تھی، جسم مُلاپنا اگر قد لباہنے نہ ہی کے پرانے ذارک گرین لان کے سوت کیا۔" (زمانہ زمانی) اسی حالتے میں (زمانہ زمانی) زویا ہے پھر کار اسون اون منیز

میں سب سے کم عمر اور سب سے زیاد خوشی ہے۔

"ہاں ہاں، تم تو چکوگی، ہی۔" پروردھودھر کے شوہر جو ملا ہوا ہے۔" رشک وحدت سے بھر پڑا اور نے کیا تھا۔ حمیرا میری بیوی۔

"ہائے نہیں، پیز ایسا تو نہ کہیں۔" نڈوار مصنوعی معصومیت سے پلکیں دھنھنائیں۔ "یہ دعوے کے پینے والی اصطلاح مجھے سخت زہر لکھی ہے۔"

اسانی اور بستہ تذلیل بھری۔"

"ہاں، غیر انسانی اور بستہ تذلیل بھری۔" تب نے حمیرا کے ہلن میں سرگوشی کی تھی۔ "بالکل اس طرز عمل جیسی جو یہ پر کئی اپنے شوہر کے ساتھ رکھتی ہے۔"

"تمہرے حب چپ ہو فاطمہ؟"

"مرے نہیں۔ بس یونہی لوحائے آئے۔" اس وقت وہ میزبان تھی، یاں تین اپنے اپنے میہر کے ساتھ اس کے گھر مدد عوامیں۔

مجہدہ نے ایک شوٹی ہوئی نظر جائے لے کے آئے والی فوغمراز مہ پڑا۔ کھانا فاطمہ نے خود پتا رکینا تو، البتہ سرو کرنے میں بالی میزوں نے بھی بد رکی تھی۔ یہ مازمہ نہیں آئی تھی۔ کچھ ہی در پیلے برتن دھونے آئی تھی اور فاطمہ جائے و مر لگانے کے بعد اسے ٹڑ میں رکھ کے لانے کا کہہ کے آئی تھی۔

"درائیک روم میں دے آئی ہو؟" اس نے پوچھا۔ "نہیں لی لی جی، بس جا ہی رہی ہوں۔" دسرے بھی تیار کر کے رکھا ہے۔" اس کی آواز بھی بڑی تھی، ہوئی سی تھی۔ اب وہ ٹھنڈوں کے ٹبل کاہٹا۔ پیالیوں میں چائے ڈال رہی تھی۔

مجہدہ نے ذرا اور لفظیل جائزہ لیا۔ ساتھی حمیرا بھی کہنی ماری۔

متروہ اخبارہ سالہ چھونو سنو لے رنگ کی ٹکمع نظر والی پھر تسلی سی لڑکی تھی، جسم مُلاپنا اگر قد لباہنے نہ ہی کے پرانے ذارک گرین لان کے سوت کیا۔"

پوری اترتی ہے، ہمہ وقت سرپہ کفن باندھے، ہاتھ میں ننگی تکاری ہے اور ترکش میں خوب اچھی طرح تراشے ہوئے طعنے شنوں کے تیر رکھے، وہ چوپیں جھٹھنے نعمان کی خبر گیری کے لیے تیار رہتی تھی۔ وجہ تھی، نعمان علی کی شرستی۔

اور شہرت ان کارناموں کی تھی جو لاعداد تھے، بے شمار تھے اور نعمان علی نے اپنی پیچرالائف میں ملک کے تقریباً ہر چھوٹے بڑے شرک کے اندر ”میا“ رکھتے اپنے زانے میں نعمان بیانگھرو ہوا کرتا تھا، لڑکیاں گھیرتے کافن اسے بخول آتا تھا۔ پتہ نہیں وہ کون سا پرویوم لگاتا تھا، کوئی جادو کا منظر رکھ کر چھوٹے پھونک رکھتا تھا اس پر شاید جو وہ جہاں سے گزرتا، دو چار لڑکیاں تو ضرور اس پر فدا ہو جاتیں۔ اپنی اس خدادار صلاحیت سے اس نے خوب خوب فائدہ اٹھایا۔ ہم لوگ اس کی وجہت پر رشک کرتے تھے تو اس کی صنف بنازک میں۔ مقبولیت سے حد بھی کرتے تھے۔

ایک صدقیت تھا، بے چارہ گونگی محبت میں، ہی ناکام ہو کے مشرقی بیبے لڑکوں کی طرح میں باپ کی پسند کی ہوئی لڑکی سے وفا بھارتا تھا۔

ہمور کوئی عورت ہوتی تو اتنی پذیرائی پاکے پھولے نہ کر سکتے کیونکہ جزہ کے ناقابلے ہی لکھی مگر فاٹکہ بھا بھی بہت سمجھی ہوں خاتون ثابت ہوئیں۔ انہوں نے صدقیت کی بہت گزاری کا ناجائز فائدہ بھی نہیں اٹھایا۔

* * *

نعمان علی۔

عراز میں سال۔ قد چھ فٹ دو انج، رنگ صاف
اپنی کسی نانے میں گورا بھی کھلایا جاتا تھا مگر اب حالات کی جملتی تو کے پھیزوں نے اسے گمرا کر دیا تھا۔ بل بارک بر اون (جو بکھی کھنے بھی ہوا کرتے تھے، ماتھے پر کری لٹوں کو جب وہ ایک جھنکے سے پرے کر کے تیز نیز لبے میں باقی کرتا تھا تو آسیاں سے گزرنے والی زیل پاپٹ اس پر نثار ہو جایا کرتیں) آنکھیں لاست ہیں اب تک برقرار رکھی۔ رنگ بے شک سفید سے سمنی ہو گیتا تھا اور بال بھی اچھے خاصے کم ہو چکے تھے، اس سے بھوری آنکھیں اور چھفت سے نکلا ہوا قدوسی دنہو، بھی صنف بنازک کے لیے بے حد کشش کا حامل نہ۔

پڑھ، بینک کی ملازمت، معاشری حیثیت، لورڈ مل کیں سے تعلاق رکھنے والا یہ شخص اپنی اعلاء تعلیم کی دولت اچھے عمدے کی ملازمت پاکے امثل کلاس سے نکلا کر پڑکا تھا، اور سے جوڑ کے رکھنے کی بھی ثابت ہمیں اسی لیے حالات نمیک ٹھاک تھے۔
ازدواجی حیثیت۔ بارہ سال سے شادی شدہ۔
بچے، لادی اچھے۔ ایک لڑکا، ایک لڑکی۔ عمریں جو تبعید اور سمات برس۔
یوں مجاہد شے جو ”مرد مجاہد“ کے تمام اصوات پر

اس نے پیرے کاندھے پر سر رکھ کے لہذا،
رویا۔ اس کی سمجھی بہن تو کوئی تھی نہیں، خدشہ قاب،
رشتے کی بہنسی یہ رسم پوری کر کے اپنے اربیں نکالیں
گی۔

”اب تمہاری شادی کسی اور سے ہو رہی سکے؟“
تمہیں بھائی جان کے یا کل کو اس کے پیچے تھیں
ماموں جان سے کیا فرق پڑتا ہے؟“ میں نے سلی دبڑے
ہوئے کیا تھا۔

”پڑتا ہے، فرق تو پڑتا ہے میرے دامت اجر،
میں ”منہ دکھائی“ دینے کا امران رکھتا تھا“ اسے ”ماں
پھرائی“ دیتا بہت مشکل ہو گا۔“

مگر گھوڑی چڑھنے کے بعد سارے مرافق ایڈ
ایک کر کے آسان ہوتے چلے گئے۔ نکاح ناٹے
و سخن خرچ کرنے کے بعد میری مبارکباد وصول کرے
ہوئے اس نے بتایا کہ اچانک اس نے اپنی پرانی محبت،
ہر نشان ہل سے کھنچ ڈالا ہے۔

”یہ زندگی میں داخل ہونے کی پہلی شرط دیانت
داری ہے۔ میں سنتہ بیوی پر عمل کرنے جا رہا ہوں۔
تم بھی بھول گانا کہ بھی میں نے کسی سے محبت کر
چکی۔“ کل ”کرز چکا ہے اور میرا ”آج“ ہی میرا ب
کچھ سے۔“

گھوٹکہست اُختاتے ہی وہ گودے گودے فاہر
بھا بھی کی محبت میں ڈوب چکا تھا۔ اب ان چاروں میں
وہ واحد تھا جو ایک عذر بیوی کا شوہر ہو جکا تھا۔ ہم سب
کی عمریں ایسی تھیں جہاں شادی کا لفظ ابھی نہ اڑا
کانوں میں صرف شہنائیاں بجا لایا کرتا تھا، انہلہ
خطرے کی گھنیٹاں بجا شروع نہ ہوئی تھیں۔ اہلہ
خوشگوار ازدواجی زندگی کے قصے سن بن کر ہم وہ
شادی کو ایک رومانسک فہنماسی خیال کرنے تھے۔

اس کی یہ دیانت داری، دیواری اور وفا شعاری شہزادہ
کے تھے، بیس بعد بھی کہنہ ہوئی تھی تو خود نہ از بھی
تیو برس قبل کیا حال ہو گا جناب صدقی بتوہنے
(زیرِ لکھنی)

اور سچے کی آہنی (ٹیبل کے پیچے سے لی گئی) کو ملا کے
نمیک ٹھاک حیثیت ہو چکی ہے۔ ازدواجی حیثیت،
شادی کو تیو سال ہو چکے ہیں، چار پیچے۔ عمریں
باتر تیب بارہ سالہ بیٹی، دس سالہ بیٹا اور پھر ایک نو سالہ
اور ایک پانچ سالہ بیٹیاں۔ شریک حیات فاطمہ
صدقی سے عمر اللہ، ہی جانے، تعلیم ایف اے (بقول ان
کے) سزا ج سبجدی کی جانب مائل، کم گوگر مہمان نواز
اور بامروتی۔ دلوں کی مشترکہ گاڑی پچھلے تیو سال
سے کامیابی کے ساتھ زندگی کی شاہراہ تھیں تھیں بے
ہم چاروں دوستوں میں سب سے سلیے شادی شدہ
ہونے کا اعزاز بھی اُسے ہی حاصل ہوا تھا۔

اب ایک نظر صدقی کی غیر شادی شدہ زندگی پہ بھی
ڈال لی جائے۔ میں ذرا حافظے کے اور اق اٹ کے
ویکھتا ہوں۔

”اول سے ہولی سے کس قدر بورڈل۔ روکھی پچھکی
زندگی لے دے کے بس ایک اکلو تاخاند انی عشق۔

خاندانی عشق سے میری مراد ہے، خاندان، ہی کن کسی
ایسی لڑکی سے جس سے اظہار کی جرأت تک نہ ہو سکی
میرے یار کو۔ موصوفہ ان کے کسی دور پار کے چھاکی
صاجز ادی تھیں اور ان پچھا کا ان کے وادی سے کوئی پرانا
حساب کتاب نکلتا تھا۔ اپنا یار حسراز را کم ہمت قسم کا
بندہ۔ اس نے یہ کھڑاگ، ہی نہ پالائی نہ عشق کی
پنگ کوڑھیں دی دیں نہ اس نے آڑان بھری نہ بو
کاتا ہو کے اس حسینہ کی چھت پر گردی نہ اس کا آبا
اس کے آبا کو طعنه دینے آیا۔ مشکل کامبوں میں یہ
ہاتھ نہیں ڈالتا۔ یہ مدق بایوجہ کامزید تعارف ہے۔

البتہ اپنی بیوی فاطمہ سے عشق اس نے خوب
رکھ دیا۔ اس کا شادی تھا۔ ایک دن بھلے تک پہنچنے
(زیرِ لکھنی) داری کیا۔ اس سے دن تک بو، دو اپنے باتا کام ادھور سے عشق

کے غم سے نڈھال تھا۔ (زیرِ لکھنی)
اس کی یہ دیانت داری، دیواری اور وفا شعاری شہزادہ
کے تھے، بیس بعد بھی کہنہ ہوئی تھی تو خود نہ از بھی
تیو برس قبل کیا حال ہو گا جناب صدقی بتوہنے
(زیرِ لکھنی)

وہ سرایمیں جسے لڑکی توہر دوسرے دن کوئی نہ کوئی دل
کو بھا جائی مگر اگلے مراحل طے کرنے سے ڈرتا تھا۔
لڑکی کی سینٹل سے اتنا ذرا نہیں لگتا تھا جتنا اس کے
بھائی کی پشاوری چپل اور ایسا کی چیزیں سے اپنے اوپر
اتنا عناد تو تھا کہ اتنا گیا گزرنا نہیں کہ کوئی لڑکی گھاس نہ
ڈالے بلکہ ان اگر یہ گھاس کھاتے ہوئے کسی نہ کوئی لیا
تو۔ تو کیا ہو گا؟ بس یہ سوال مجھے ایک حد کے اندر رکھتا
تھا۔ دوستوں، یاروں کے ساتھ تھل کے منج مستی
کر لیتا اور بات ہے مگرتنہ تھا اپنے نازک شانوں پر کسی
عاشقانے کا بوجھلا دانا ایک الگ بات۔

میرار جب تھا۔ ویسے ہی صرف نازک سے نہ جائے۔
یہ اس کا ترمیم شدہ قول تھا جس کی وجہ سے نعمان بے
چارے پر زندگی سخت ہو چکی تھی۔ ہر وقت شکر
وقت سوال۔ تک آپ کا تھا، بھی بھی تو ہم اے
اکساتے۔

”شامت تو تیری آئی، ہی رہتی ہے یا۔“ کہر
نہیں تو بھا بھی کل بات کوئی ثابت کر سکتا۔ انہیں بھی
پتہ چلے کہ جو مرد گھر سے باہر چکری رکھتے ہیں، ان کی
بیویاں یوں عیش نہیں کر لی پھر تک۔

”بس یار! اب مل نہیں مانتا۔“ وہ پھر کسی نہ
کے ساتھ مغدوری ظاہر کرتا۔

اپنا حق جان کر، دینے کی نوبت کم ہی آتی۔ بھی دیتا بھی
تو اپنی جیب، اوقات اور چیزیں سے مل کے مطابق۔
بھی دکر روپے درجن ملنے والی عامر کی چوڑیوں کا
سیشن۔ بھی راستے سے توڑا ہوا کوئی پھول وغیرہ
وغیرہ۔ جبکہ اسے ملنے والے فرم، رست و لاج، اُلی
شرلوں جنہیں وہ سب میں دکھاد کھا کے شمارا کرتا۔
یہ شوبازی اسے لے ڈولی۔

مجاہدہ اس کی فرست کزن تھی۔ کافی کی طرح فیملی
میں بھی اس کی شہرت پھیل چکی تھی۔ مجاہدہ بھی شادی
سے ملنے والے دوسروں کی طرح اپنے اس
وجہے۔

”کہاں جمع ہوتا ہے اب،“ مجاہدہ کچھ کرنے تی شد
ریتی۔ میں اس کے لیے اور بچوں کے مستقبل کی خاطر
ہی بچت کرنا چاہتا ہوں مگر وہ بمحضی ہے کہ میں کہ
لہجہ بیکھی از تھیں نہیں۔ یہی سمجھا یا کہ لڑکے نکوار بن
”دوسری“ پٹا کے آرہا ہوں۔ پھر دنوں سوچا کہ میں
میں یونہی منہ ماری کیا کرتے ہیں، کچھ نہیں سے بندھنے
پلات قسطوں پلے لوں۔ لیکن آسے خربوں تو لد
گمراکر دیا لہ اب میں ”دوسری“ کے لیے جائیدادیں
(مزاجی ایجاد) ہے مدد بھول جائے ہیں لہجہ بیکھی از
خالی تھا کہ مروں اور کوئی سوکے نہیں میں فرقہ ہو تائیں۔

ہو گی جس طرح اور سب کام اس نے دیرے سے کیے اسی
طرح شادی کے چار سال بعد بچی بھی ہتا۔ ایک گیارہ ماہ
کی بڑی پیاری کی پچھی ہے اس کی جس کے بارے میں
مجھے یقین ہے کہ وہ جب اسے گود میں آٹھا کے باہر نکلتا
ہو گا تو لوگ یہی کہہ کر مبارکباد دیتے ہوں گے۔
”ماشاء اللہ، تمنی کیوت پوتی ہے آپ کی۔“

زیویا کے ساتھ تو اس نے اسی لیے باہر نکلنا تقریباً
ترک کر دیا ہے۔ شروع شروع میں تو پھر بھی غصیت تھا
مگر اب تو وہ حال ہے کہ چالیسویں سال تک پہنچے پہنچے
اس کی عمر نے فلاٹھیں بھر کے آگے نکلنا شروع کر دیا
ہے اور زیویا ہے کہ دن بدن پچھلی طرف دھکیلی رہی
ہے خود کو۔ چوبیس کی بجائے انہیں بیس کی نظر آتی ہے
اور کم عمر حسین یوں اونچے سماں کا اگر وہ ترس ترس۔
کے عمر کے پہنچوں میں مل مل ہی ہو، اس کے آگے
شرف شوہر بے چارے کی وجہے ہی کھکھی بندھی
رہتی ہے اور شریف شوہر بھی وہ جو رجب منظور کی
طرح فطری یا پیدا ائشی قسم کے شریف ہوں۔
بہت صبر کے بعد اسے سرا باندھنا نصیب ہوا مگر ہوا
تو سی۔

اس تاخیر کے پیچے ان حضرت کی وہی شرافت
آڑے آٹی رہی، جو پیدا ہوتے ہی ان کی گھٹی میں ڈال
دی گئی تھی۔ رجب منظور نے اتنی جلدی قد نہیں نکالا
جسی جلدی اس کی شرافت پھلی پھول۔ اس کی
شرافت کے ڈنکے جلد ہی خاندان سے نکل کر زماں
بھر میں بختے ٹکے ہر ماں کی طرح رجب منظور کی ماں
بہنوں کے دل میں بھی اس کی شادی کے ارادنے اس کے
بیوان ہوتے ہی جائے لئے تھے بلکہ خاندان برادری
میں جمل بھی اور جس لڑکی کا انہوں نے نام لیا، اوس
نے بھیاں اپنے پٹومیں چھپا لیں۔

”تو ہمیں ہماری پھولی کی بھی کے لیے یہی“ لگگھو
گھوڑا“ رہ گیا ہے۔ مٹی کا مادھو۔ کاٹھ کا لوق۔ گودی
کا کھا۔“

ایسے ایسے خطابات سے نوازا گیا بے چارے کو،
اس کی سکی خالہ تک نے نکا سا جواب دے دیا، یہ کہ

کر کے

"۲۷۸ میں تباہا معاف کرنا" تم نے بیٹا اس ڈھنگ سے پالا، ہی نہیں کہ اسے بیاہ سکو۔ تم نے تو اسے صرف میں بہنوں کے اشاروں پر تباہا سمجھایا ہے، اس کی بیوی جو بد نصیب بنے گی، ساری عمر تراپ تراپ کے روئے گی۔ تباہا، میری بیوی بیوی کیوں؟"

"ہوش میں تو ہو، مال کی تابع داری اور بہنوں سے محبت رکھنا بھی کیا میرے بیٹے کا عیب ہو گیا؟"

"جو چیز اعدالت سے بڑھ کر ہو، وہ عیب ہی کملاتی ہے جسے آدمی رات تک مال کی نانگیں دیانے کی بری

عادت ہو، وہ بیوی کا سرکب دیائے گا؟ جسے مجھ سویرے اٹھتے ہی مال کا ہاشمہ بنا نے کی لوت ہو، وہ بیوی کی چائے آخر کس وقت بنائے گا۔"

خاندان یہ چار حرف بھیج کے باہر لڑکی تلاش کرنا چاہی توہاں تجھی منہ لی کھالی۔ آس پاس سے انہیں لڑکے کی خطرناک حد تک بڑھی ہوئی شرافت کی سن کن مل ہی جاتی۔

"ماشاء اللہ، بڑا ہی سیدھا بچہ ہے۔" کوئی پڑوسن بتلا دیت۔ "آج کل کمال ہوتے ہیں ایسے لڑکے مانو منہ میں زبان ہی نہیں۔ ہمارے پیچے تو نیز ہمی نظر برداشت کرنے کے روادرانہیں اور یہ بھلامالیں مال تو مال، چھوٹی بہنوں کی سخت سنت بھی بس کے سن لیتا ہے اور تو اور مال کھینچ کے چل دے مارے تو جھماڑ پوچھتے کے اتنی عقیدت سے مال کے پیروں میں پہناتا ہے۔ واد سبحان اللہ۔" وہ جھوم کے قصیدے پڑھتیں اور لڑکی والے بدک جاتے۔

زوہا کا معاملہ کچھ ایسا تھا کہ مال باپ تو اس کے تھے نہیں، ماموں ممان کے ہاں پلی بڑھی۔ ٹھکل و صورت رسر کی ایک بڑی بیوی، رستہ اور مل مل ظی (لکھتے رہتے تکن تکن ستر جان) ممال نے اپنا فائدہ دیکھا۔ اس وقت تک رحمت کے

زمیں اور آنکھوں کی رنگت سیاہ۔ بالوں اور آنکھوں کی رنگت سیاہ۔ اور وہ بھی دور پار کے سروں میں۔ یعنی ہر وقت سر کے سوار و سستہ والے سینہ جنیاں کم از کم (تھما اور جھوپ بھی انہوں ممال) کا بھیزروہ دیتیں، اس پر بھی تاک بھول چڑھانے والا

کوئی نہ تھا، ورنہ مجرے پرے سرال میں لڑکی بے امطلب ہے رواں توں، رواں کے نہ حتم، ورنہ بارے سلے کا انداز۔ چونکی، چالے کی رسمیکر پہنچ کے خرچے وغیرہ وغیرہ۔ اس کے علاوہ بھی زیادا کارہز دہا کرنے کی ایک اور وجہ بھی اور وہ تھی مہماں کا ایک تن لڑکیاں جو ٹھکل و صورت میں زیاد سے دیتی تھیں اور اس سے بڑی ہونے کے باوجود ہر رشتہ زیاد جانب لوٹ جاتا تھا، اس لیے ماموں ممان نے اس پر آنے والے رشتے پر ہی شکر کرتے ہوئے اسے گرفت نکالنے کی کی۔

اور وہ کو شاید لگتا ہو کہ رب منظور ایک فرش قسمت آدمی ہے۔ جس کو اس واجبی کی صورت ساتھ اور اس عمر میں زیادا جیسی کم عمر، جیسیں اور پر کم ہے یوں مل لی ہے، لیکن حقیقت کی خینک رکا۔ دیکھیں تو رب منظور سے زیاد قابل رحم حالت ای وقت ہم چاروں میں یے کسی کی نہیں۔ ایک نوب چارہ اپنی شرافت کے ہاتھوں پیشیں سال تک نہیں رہا اور اب اسی شرافت کی وجہ سے زیادا جیسیں ہیں، نہ لانگ برابر کی کل کل چھوکری اس کے سرپر رانگ کر دیے اس جیسے پیدائشی شریف دنیا میں آتے ہیں کسی کی اطاعت کرنے ہیں۔ مال کی گدی اب یہ نہیں نے سنجھل رکھی تھی۔ رب کارہوت کنٹھیں نہ کے ہاتھ میں رہتا تھا۔ یہ یات، ہم سب جانتے تھے آئیے میں نے اسے "سرزا یافہ نس کا شریف شہر" ایک اضافی خطاب بھی دے رکھا۔



اور یہ میں ہوں۔

حیدر مجدد۔

عمر، چھتیں سال، رنگ گندمی، تدبیخ فرز۔

بالوں اور آنکھوں کی رنگت سیاہ۔

پیشہ، الیکٹریکس کا زادتی برس سالی دیست مفت

اور وہ بھی دور پار کے سروں میں۔ یعنی ہر وقت سر کے

سوار و سستہ والے سینہ جنیاں کم از کم (تھما اور جھوپ بھی انہوں ممال) قدر فضول خرچ نہ واقع ہوتی۔ برعکل برس نہیں۔

بنا پر، بھر تارتا ہے۔ ان دس سالوں میں ایک نہیں، دو نہیں، تین بھی نہیں بلکہ بلا مبالغہ دس ہزار مرتبہ میرے اندر کی سے بھر پور عشق لزانے کی خواہش اگذا ایساں لے کر انہی اور میں مل کی اس آواز پر لیک

بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔

بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔

بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔

بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔

بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔

بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔

بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔

بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔

بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔

بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔

بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔

بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔

بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔

بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔

بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔

بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔

بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔

بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔

بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔

بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔

بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔

بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔ بُن مل کامیٹ۔

سلوٹی ہے، ہر مینے یہ ٹپار لکی یا تراکتی سے اور اس اسٹرینگ کروار کمی بہبے ان سب کے جو یہ ہر زاویے سے دس سال پلے شدی۔

شادی کے ابتدائی چند مینے ہی ایسے گزرے تھے جس میں میری اس طلب کی تھوڑی بست تکین ہوئی، لیکن اس نے بھوپہ کو مقتولہ بننے کا عمل اس سرعت سے مکمل کیا کہ مل کے ارلن آنسوؤں میں بس کئے

میں شروع سے ہی رعنائیک بندہ ہوں لیکن مل میں امنڈتے اس رعناس کے طوفان کو، ہمیشہ مل تک ہی مکھد رکھا۔ اس کے پیچھے رب منظور کی طرح میری شرافت نہیں بلکہ بزیل کار فرما تھی۔ شادی ہوئی تو میرے اندر کے راخمے نے حیرا میں ہی اپنی ہیر کو تلاشنا چاہا اور تب مجھ پر اکٹھا، ہوا کہ دنیا کی بڑی بڑی اور مشور اشوریز کا انجام ۴۰ ورہ بھی خوبی رہنے لگے۔ کیوں نہیں ہوا تھا۔ راخمے کو ہیرے مجتوں کو لیا اور رومیو کو جریلیٹ کیوں نہیں ملی تھی۔ اس لیے کہ تقدیر کو ان کے عشق کی سلامتی منظور تھی۔ اگر راخمے کی ہیر سے اور مینوال کی سوہنی سے شادی ہو جاتی تو عشق کی یہ بے نظیر دستائیں آج صدیوں بعد پہل کو منگتے تین اسکوں میں خدر کر کے داخل کرا رکھا پڑے ممکہ ہو یا سرال، ہر جگہ او قات سے بڑھ کر شے دینے کا شوق اور خود اس کے جو ذاتی اخراجات ہیں ان باہمیکی حلہ کتاب بھی نہیں۔ میری آدمی کملاتی اتنا کے درزیوں کے پاس جاتی ہے۔

نہ کر تکن۔ اپنی تمام تراجمائیوں، خوبصورتی اور گمراہے کے بلو جودو ہے تو ایک بھی۔ سرے پیر مسیوی۔

"نہیں۔ فتا نہیں ہوا بلکہ اب بھی مل کے اندر چکپاں بھر تارتا ہے۔ ان دس سالوں میں ایک نہیں، دو نہیں، تین بھی نہیں بلکہ بلا مبالغہ دس ہزار مرتبہ میرے اندر کی سے بھر پور عشق لزانے کی خواہش انگڑائیاں لے کر انہی اور میں مل کی اس آواز پر لیک

227

کہتے ہوئے سمجھدے بھی ہوا مگر۔

نہیں بزندل یا کم بہتی نہیں۔ اس پار کم نفسی آڑے آئی۔ شادی کے بعد مر خاص ایریدہ ہوالی ہو جاتا ہے۔ پہلے پھر بھی کسی لڑکی کو تاثر نہ ہو جاتا ہے۔ اپنے بھروسے میں گزرا رکے آنکھس جھکالا کرتا تھا، اب ایسا نہیں تھا۔ دھنٹلی سے ہنکھی باندھ کے گورا کرتا اس کی تاکوواری کے جواب میں مسکراہٹ بھی اچھل دیا کرتا تھا۔ اکثر حیرا ساختہ ہوتی اور حسب علاوہ شانگ میں بڑی طرح غرق۔ اور میں آس پاس شانگ کرتی خواتین میں بڑی طرح غرق۔ مگر راہو قسم کا بھرپور کوشش کے باوجود اب تک کسی دھواندار عشق کے آثار پیدا نہ ہو سکے تھے۔

میں نے تو اپنی طرف سے پوری پوری کوشش کر دالی تھی۔ میرے اپنے خاندان میں میری عمر کے جتنے بھی کتوارے رہ گئے تھے، ان بے راہ و رسم بیحانا چاہا تب انکشاف ہوا، رشتے کی ان نندوں سے حیرا کے تعلقات حیران کن حد تک خوشنگوار تھے۔ (وجہ وہی آئے دن کے تیتی تھائے) وہ اتنی شیرنی گھول کے اسے بھالی اور مجھے بھائی جلن کما کرتیں کہ میں مارے تملہاہٹ کے کرے سے ہی نکل جاتا۔ اس کے اپنے خاندان سے یعنی اپنے سرال میں میں نے ایسی حسیناوس کا کھونج لگانا چاہا جن کی حیرا سے نہ بنتی ہو۔

شادی کی کرنے سے شادی سے پہلے کوئی ایسی کھٹپٹ۔ وہ جکی ہو کہ اب وہ بد لے کی نیت سے مجھے سے محبت کی پیٹکیں بیٹھانے پہ آتا ہو جائے مگر میری قسم کر رشتے کی ساری سالیاں اب اتنی اپنی گھروالیاں تھیں۔ ساری کالونی چھان ماری ہیں کوئی بڑتی عمر کی کنواری دشیزو دستیاب نہ ہوئی جو اچھے رشتے کی لآں (عزیز زرالیہ یا فرسرپشن نے کے مارکے مجھے یعنی شلادی شلکہ اور تین) بچوں کے بلپیہ ہی صبر شکر کرنے سے آتا ہو جائے اور راس سر تک اور کوئی معقول سر نہیں کی جیوہ خاتونی عجمی میسر نہ ہوئی۔

میری ان باتوں سے آب میں سے اکثر کو تاکوواریت بد تذہی سے ذکر کر رہے ہیں۔ آپ کے دوست کی رہنما محشوں ہو رہی ہوئی تھیں اسے خواتین سے نہ تھام کریں۔ بیوی ہیں اور کچھ نہیں تو ایک عورت ہونے کے نتے سے تابلہ اغلاق سے عاری اور گرے ہوئے کروار کا

بیوی کے علاوہ کوئی بھی دوسری عورت آپ کے بارے میں کیا کہتی ہے یہ جانے کا اشتیاق ہر مرد کو ہوتا ہے۔ مگر مجاہدہ بھا بھی جسی خاتون کسی بھی مرد کے بارے میں کیا تاثرات رکھتی ہیں، اس کا اندازہ بھی تھا مجھے اس لیے جب میں نے تمیرے سے اس کی بروناہٹ کی وضاحت طلب کی تو میرے سچے میں اشتیاق سے زیادہ تاکواری تھی۔

”یہی کہ آپ بات پلنے اور گفتگو کو طول دینے کے فن میں عورتوں کو بھی مانتجتی ہیں۔“

”تمہیں کیا پتہ میری بھولی تیکم! میں تو عمر بھر عورتوں سے ہی مات کھاتا آیا ہوں۔“ میرے دل نے افسوس سے پاٹھے ملتے ہوئے کہا۔ ایک کے بعد ایکہ سارے دل نشیں چڑے یاد آنے لگے، جن سے عشق بس ہوتے ہوتے رہ گیا۔

”مگر اب نہیں۔ عمر بھتی جائے اور کوئی چکر نہ چل پائے۔ نہیں نہیں، عمر کی اس چوٹھی دھنی کے ختم ہونے سے پہلے پہلے کم از کم ایک زبردست دھواں دار عشق تو میرے کریڈٹ پر ہوتا چاہیے ورنہ تفہیم ہوئی؛ تو اس پر پھولے نہ سانا اس کا حق۔“

”میں بھی گردنڈر اپنے اور آکر گئی۔“

”لیکن فی الحال میں جو خبر سننے جا رہی ہوں وہ بندوں نے ہم بھالی کے بارے میں نہیں، بلکہ رب جن کے بارے میں بتائی ہے۔“

”ا۔ بے چارہ رب جن منکور!“ اپنے اس بے ذریعہ تدریقی شریف شوہر کا ذکر مجھے ادا اس کر گیا۔

”اس کے بارے میں اب عجیب سے عجیب خبر بھی نہیں ہے۔“

”جب کیا کیا ہے اس نے؟ کیا دیکھ لیا مجاہدہ نے؟“

”اسے نہ رکا کے پیر و باتے دیکھ لیا یا سر میں تیل کی رُثا کرتے ہوئے؟“ اس کے کپڑے دھوئے ہوئے ہوئے یا استری کرتے ہوئے؟ یہ اپنی اس بزدلانہ لڑکت کے بامبوں اپنا کبارا تو کر رہا ہے ساتھ ہوئے ہیں بھی ڈیوئے گا۔ اس کی ایسی ہی اوٹ پانگ نہ کر دیوں کے باعث تم لوگوں کو بھی ہر ک اٹھتی ہے۔“

”توبہ، چار پیسے بیوی پر خرچ کرنے کے لیے اتنی بھی بحث؟ اب آپ کو درج کرنے ہو رہی؟ کیا زندگی ہے میری بھی ذرا ذرا اسی حیز کے لیے منت کرنا پڑتی ہے سو طعنے سننے پڑتے ہیں۔ ہر وقت آپ تو میرے کپڑے

”نہیں بت ہو رہی ہے اپنی سیلی سے تو مجھے تراہم کر لیں۔“

””یہی کہ آپ بات پلنے اور گفتگو کو طول دینے کے فن میں عورتوں کو بھی مانتجتی ہیں۔“

”تمہیں کیا پتہ میری بھولی تیکم! میں تو عمر بھر عورتوں سے ہی مات کھاتا آیا ہوں۔“ میرے دل نے افسوس سے پاٹھے ملتے ہوئے کہا۔ ایک کے بعد ایکہ سارے دل نشیں چڑے یاد آنے لگے، جن سے عشق بس ہوتے ہوتے رہ گیا۔

”مگر اب نہیں۔ عمر بھتی جائے اور کوئی چکر نہ چل پائے۔ نہیں نہیں، عمر کی اس چوٹھی دھنی کے ختم ہونے سے پہلے پہلے کم از کم ایک زبردست دھواں دار عشق تو میرے کریڈٹ پر ہوتا چاہیے ورنہ تفہیم ہوئی؛ تو اس پر پھولے نہ سانا اس کا حق۔“

”میں بھی گردنڈر اپنے اور آکر گئی۔“

”لیکن فی الحال میں جو خبر سننے جا رہی ہوں وہ بندوں نے ہم بھالی کے بارے میں نہیں، بلکہ رب جن کے بارے میں بتائی ہے۔“

”ا۔ بے چارہ رب جن منکور!“ اپنے اس بے ذریعہ تدریقی شریف شوہر کا ذکر مجھے ادا اس کر گیا۔

”اس کے بارے میں اب عجیب سے عجیب خبر بھی نہیں ہے۔“

””یہیں اس بہتے مجھے کچھ ایکس رار قم چاہیے۔“

حیرا نے میرے خیالات کا تسلیل توڑا۔

””تمہیں کس بہتے نہیں چاہیے ہوئی۔“

”میں کچھ نہیں جانتی۔ ایک ڈھنک کا کپڑا نہیں ہے میرنسپا۔“ اس نے ہمیشہ کارونا روا۔

”تو وہ جو ہر دوسرے دن نیا جوڑا پہنچتی ہو تو تم بھی کھار ڈھنک کا بھی لے لیا کرو، کس نے رو کا ہے۔“

”توبہ، چار پیسے بیوی پر خرچ کرنے کے لیے اتنی بھی بحث؟ اب آپ کو درج کرنے ہو رہی؟ کیا زندگی ہے میری بھی ذرا ذرا اسی حیز کے لیے منت کرنا پڑتی ہے سو طعنے سننے پڑتے ہیں۔ ہر وقت آپ تو میرے کپڑے

خنفس قرار دے رہے ہوں گے میں انکار نہیں کر سکتا۔ ہل ہوں میں ایسا ہی ہو۔ ثابت کر دکھائیے۔ میرے ریکارڈیہ کوئی وجہ نہیں تھی؟ اس لیے نہیں کہ میں کھلپے بست مغلہ سے کرتا ہوں اور پہچھے بیوت نہیں چھوڑتا۔ بلکہ میں یہ کہ قسم نے اب تک کچل ملے کا کوئی نہیں۔“

میں بھرا ایک معجنگی طور پر شریف شوہر۔

میرے جیسے خنفس کا دس سل مک صرف نہیں بلکہ عملی لحاظ سے بھی شریف میں ہوئی ایک مجھ پری تو ہے۔



”آج مجاہدہ نے بڑی عجیب خبر سنائی۔“ اگلے دن ناشتے کی شیل پر حیرا نے بتایا۔ نوٹ میرے ملن میں پختے لگا۔ مجاہد و بھالی اور ان کی خبریں ان کو منع منع نہ کا مطلب ہے سارے دلکشی بے زاری لور کوفت۔ حیرا اچھی طرح جانتی تھی کہ مجھے نہ بھلہ، بھالی سے دوچھی تھی نہ ان کی عجیب و غریب خبولے سے اس کے باوجود وہ ان کی تراشی ہوئی خبریں میرے کنٹوں میں پھونٹنے سے بازنہ آتی تھی۔

””تمہلک“ کے کسی اور بھولے بصرے اللہ کی اتنے مکن مل گئی ہو گی اور اس سے زیادہ عجیب خبریں“

عورت کیا سنا سکتی ہے۔“ میں نے آکتا ہت کا مشاہدہ کیا۔ ”وہ بے چارہ توکب کا اپنی تمام محبوبوں کے چہرے توکیا نام تک بھول بھل چکا ہے۔ یہ پتہ نہ کھل کھل سے کرید کے خبریں لے آتی ہے۔“

اپنے کاوس پہ کھاڑی بارہی سے احمد!“ حیرا نے خالص پوز

چھوک کے بلپیہ ہی صبر شکر کرنے سے آتا ہو جائے اور راس سر تک اور کوئی معقول سر نہیں کی جیوہ خاتونی عجمی میسر نہ ہوئی۔

”منہ پہ تو براہ بھالی کرتے ہیں اور پہنچے پچھے کر بد تذہی سے ذکر کر رہے ہیں۔ آپ کے دوست کی رہنما محشوں ہو رہی ہوئی تھیں اسے خواتین سے نہ تھام کریں۔ بیوی ہیں اور کچھ نہیں تو ایک عورت ہونے کے نتے سے تابلہ اغلاق سے عاری اور گرے ہوئے کروار کا

جو تے ہی گنتے رہتے ہیں۔ ہل تو کیا کرو؟ کھاتے تھے
گمراہے کی ہوں۔ ہاتھ روک کے خرج کرنے کی
عادت نہیں۔ مل باب نے لاؤ کر کے عادتیں بگاڑ دیں
اور ایک وہ زویا ہے۔ تیم مسکین، غرب گمراہ کی لڑکی اور
کسے عیش کر رہی ہے۔ آنکھیں بند کر کے رحہ
بھائی اس کی ہر خواہش پوری کرتے ہیں۔

”ہل تو کیوں نہ کرے؟“ کانچ گرل جیسی بیوی چالیس
سل کی عمر میں مل جائے تو جورو کاغلام مبنی کی کوئی تک
بھی بتتی ہے۔ ”میں نے اٹھتے ہوئے کما شوروم کے
لیے نکلنے کا نام ہو چکا تھا۔

”ہمونہ۔ جورو کاغلام اسے تواب پتہ چلے گا۔ بڑا
اتراتی ہے پلو سے میاں کو باندھ کے“ وہ پتہ نہیں کیا
بری راتی رہی۔ میں توجہ دیے بغیر باہر نکل گیا۔

آنچ پھر میں گاڑی میں روڈ پہ ڈالنے کے بجائے منی
مارکیٹ کی طرف لے آیا۔ پرسوں اتفاقاً میں نے ایسا
اس لیے کیا تھا کہ رات کی تیز آندھی کے باعث گرنے
والے درختوں نے میں روڈ کی رُنگ بلکہ بلاک کی ہوئی
تھی۔ میں منی مارکیٹ کی طرف نکل آیا، جہاں سے

ایک شارٹ کٹ وحدت روڈ، جہاں میں اس وقت کر
تھا۔ اور کہاں ایم ایم عالم روڈ، جہاں وہ جانا چاہیے
تھی۔ میں نے ایک سرسری کی نظر اس پہ ڈالی بلکہ بلکہ
بونداہاندی شروع ہو چکی تھی۔ جس سے پہنچنے کی فافر
اُس نے سر پر ایک فائل رکھی ہوئی تھی۔ کوئین
براون تر شے ہوئے بال، جدید تراش خراش کا لہن۔
متائب قدو قابض ڈارک سن گلاسز۔ شیرز ب
ولجنے۔

”آئے۔“ میں نے اسی موبووم سی آس کے
سوارے فرنٹ ڈور کھول دیا جس آس کے ساتھ میرا
چھپتیں پر مالہِ دل پہنچلے میں سالوں سے تھیں رہا تھا۔
”تکریسیں کوئی نیکی، رکھہ مل ہی نہیں رہا تھا
اس لیے آپ کو زحمت دی۔“ اس نے اپنا پشمہ آنہ
کے شوذر بیگ میں رکھ لیا تھا اور اب قریب سے اسے
دیکھنے پر مجھے اس عمر کا اندازہ ہوا۔ اگرچہ دن کے رفت
بھی اس نے خاصی لیپاپوئی کر رکھی تھی۔ آنکھوں
پوچھنے کے ساتھ میں کھڑے دیکھ کے خود بخود میری
منظر آپ تفصیل سے رکھنا چاہیں گے تو ظاہر ہے کہ
(زیر پر کے قدم خود ہی نہ آہستہ ہوئی میڑا چکے، لہنڑی، جیلی) بلکی کسی تھے۔ اور مکرانے کی کوشش کے درمیان
کے کوشش پر واضح ہوتی آن گفت سلوٹیں ان کی
ایک منڈی کے لیے تو مجھے اپنی لانکھوں پر تیکن رہنکار
(غمیز ایم) دلتی تھے۔ جس سے اس کو شراؤں واسخ تھا۔ بھرے بھرے
درار۔ جس پر شراؤں واسخ تھا۔

”کیلئے عورت لفشنگر ہی نہیں“ (زیر سرال) / ہونٹ تیز رنگ کی لپ ایشک سے جنمگار ہے غم
کوئین آں دیئے نہ آیا کہ اب تک میرے ساتھ ایسا کوئین براؤن بال اتنے روکے پیکے اور بلکہ غم۔

لباس تھا اور موسم کی مناسبت سے رنگوں کا استعمال
لا جواب آرٹیسٹک مزاج لگتی ہے اور کیونہ ہو گام
ہی ایسا ہے اور ہاں خود اعتماد بھی سے۔“

باتوں باتوں میں اس نے بتایا تھا کہ وہ پرسوں پھر منی
مارکیٹ اسی وقت آئے گا۔ کیونکہ صبح صبح رش کم ہوتا
ہے اور وہ ذاتی والے کو تسلی سے کپڑوں کے بارے میں
تفصیل اسکھا سکتی ہے سو اسی لیے آج تھیں یہاں
تھا۔ جس فٹ پا تھا پہ اسے لفت دی تھی۔ آج وہاں
نہ تھی میں نے گاڑی مارکیٹ کے اندر موڑ لی۔ چھوٹی
سی مارکیٹ تھی۔ میں اسی سڑک کی طرف گیا جہاں
ٹیکر زیادہ ہوتے ہیں۔ تمیرا کی وجہ سے یہاں اکثر ہی آتا
ہوتا تھا۔ اور حسپتوقہ ایک پیکو کرنے والے کے
پاس کھڑی نظر آئی تھی۔ میں نے یوں ظاہر کیا جیسے
انفاقاً یہاں سے گزرتے ہوئے میری اس پر نظر پڑی
اور میں نے اخلاقاً گاڑی روک دی۔ البتہ اس نے
مجھے سامنے پا کے اپنے بے ساخت تاثرات چھپانے کی
قطعنی کو شش نہ کی اور یہ تاثرات خاصے حوصلہ
افرا تھے۔

”سین، آپ کے آفس میں میرے لیے کوئی جاب
نکل سکتی ہے؟“ پیشہ ہی اس نے بھی آکرے
پوچھا۔ ہل روڈ پہ واقع میرے شوروم میں الکٹریکس
کی اشاء کا بنس ہوتا تھا اور اس میں کسی کی فی میں
اساف کی نہ تو ضرورت تھی نہ ہی سخاں، اس کے
موجود میں نے چند سینڈ تک رُنگ کے سوچا۔ شاید
کہیں نہ کہیں اسے فٹ کیا جاسکے۔ اور بالآخر میوس
ہو کے نفی میں سرپلا دیا۔

”کیا کروں،“ کوئی بڑی ڈگری بھی نہیں ہے۔ اس
کو والی تکمیل کے ساتھ زیادہ سے زیادہ کہیں پہنچیں
آپ پریش لگ سکتی ہوں یا کسی تحرُّک لایں دفتر میں
یک پریشی نہ بھی روڈ ہائی ہزار روپے کی تنخوا پر جو گام
میں کرتی ہوں اس میں کم از کم کسی کی غلامی تو نہیں
ہے۔ ایک لمحاظ سے بُری ہی ہے یہ بھکر۔ آمدی بھی
گزارے لائق ہو ہی جاتی ہے لیکن سرکھائی بہت
ہے اور آنے جانے کا خوش ذوق بھی۔ کیا عامہ
تھیں کے خوش کرن پسلوٹا شارہ۔

ہی روز کے سو ڈیڑھ سو لگ جاتے ہیں۔ پھر اپنی شے
ٹاپ کا بھی دھیان رکھنا پڑتا ہے ورنہ یہ اونچے اونچے
پوتیک کمال اندر آنے دیتے ہیں؟ اس لئے سوچا
کیس اور قسمت آزمائی کی جائے۔ منگالی بھی تو کس
قدربارہ کی ہے اور اخراجات۔

میرے دل نے ایک اور خوش فہمی پالی اور وہ یہ
کس کوئی عورت جب کی کے سامنے اپنی
محبوریوں اور بے چارگی کاروباری ہے تو مقصد صرف
یہ ہوتا ہے کہ وہ اسے ان پر شانیوں سے نجات
دادے، اس کا ہاتھ تھام کے ان حللات سے باہر نکل
پڑا بلزند سکس کر رہی تھی اور وہ بھی محن دوسرا
ملاقات میں۔

”کیا وہ مجھے اپنا نجات دندھا۔ اپنا ہیرو تصور کرنے
میں ہے؟“

اس سوال کے ذہن میں سرسراتے ہی میرے اندر
ایک استکول بھرا ہیسو، آنکڑاں لے کے بیدار ہو گیا۔

”آپ فکر مت کریں۔ میرے سرکل میں بست
ہے لے کے فریڈ ہیں جن کے بڑیں چیزیں پڑا
جائے گی۔ کوالي نکشن اینور ابلم۔“ میں نے ہاتھ لرا
کے کملیوہ منون اندازیں مسکرا لیں۔

”واقعی حیدر صاحب؟“

”بالکل۔“ صرف میرے ایک بار کہنے پسے اور
میسا یہ کر رہا ہوں۔ صرف آپ کے کہنے پے۔“ میں
لے پھوڑ اور چلبلا۔ کچھ اور زیاد خوش مزاج ہونے کی
کوشش کی۔

”مگر آپ ایسا کروں تو یہ واقعی بست بردا احسان ہو گا
مجھ پر۔ کامیں آپ کو جیدر صاحب تھے کبھی بھائیے صرف تسلی
حیدر رکھے کے پکار لسکی ہوں چنانچہ وہ اسی تمام سیر ہیں از
خود طے کر دی تھی جو میں کر کر خواہش رکھتا تھا۔“ لکھ کھول کے رہ گیا۔

”یا یا یہ تمواہ فن۔“ ہے کیوں نہ ہوا
سماجن، مہماں، کچھ زندگی، کمس کی ہوئے۔ حیدر شرکر کے پیڑا
چھپکوئی سی سرگوئی میرے دل نے کی کہنی شکر تک اسے جانو ڈار انگر،
اُترن پس کے اور موٹا جھوٹا کھا کے پہنے والی کے

نہ آئی تھی ورنہ اب تک کا سارا سورا میچ ڈالوں نہیں
ہو جاتا، میں نے ڈیک آن کیا۔

تیرے بنا زندگی سے شکو، تو نہیں
”دہت تیرے کی۔“ میرا کی چوائی سے بھی توہن
الزالہ ہے اور گانے جن کے سن باشم کے اکٹھے
کر جھوڑے ہیں۔“ میں نے تملک کے سوچا سو راصل
اس گانے کے بولوں کے فضائیں بکھرتے ہیں مل انہیں
والا پچاس سالہ ہیسو اور سفید بولوں اور نظر کے جھٹے
والی چینتا لیس سالہ ہیسوں تصور کی اسکرین پر لاش
ہو گئے تھے میں نے سائٹ چینچ کی۔

تم آگئے ہو۔ تو نور آگیا ہے
نہیں تو چراغوں سے لو جا رہی تھی

”ابھی سے کمال۔؟“ ابھی توجہ جمع آنھوں
چھتیں سل کا ہوا ہوں۔ ابھی سے میرے چراغوں
سے لوگوں جانے لگی بھلا۔“ میں نے بیڑا کے
کیسٹ نکل دیا۔ رات کو ہی بدقائق میرے ساتھ تھی
اور یہ بوڑھے گانے سُن کے جووم رہی تھی۔ میں
نے جن کے ایک اور کیسٹ نکل کے لے گیا۔

”کھوارے۔ کھوارے“ تیرے کلے کلے
نہیں۔“

اسڑنگ پر الگیا بجا تے اور سیٹی کی دھن سے
گانے کے شوخ بولوں کا ساتھ دیتے ہوئے میں لے فو
کو ”بنی“ اور اس کو ”بجلی“ تصور کیا۔



”دوسرا ملاقات میں میں نے اسے اپنا مامل نہیں
اور اس کا لیا تھا اور آج پورے دن میں اس کے ہمارے
لیس ایم ایس آچکے ہیں۔“ اگلے دن یاری کی محفل
میں بیٹھا میں ساری رواد سنارہاتھی۔

”چاہے؟ اکٹھے چاہے؟“ مولوی رحیب مدد
را کو کم رئے میری سبو رائی اکٹھا تھا۔ لکھ کھول کے رہ گیا۔
”یا یا یہ تمواہ فن۔“ ہے کیوں نہ ہوا
سماجن، مہماں، کچھ زندگی، کمس کی ہوئے۔ حیدر شرکر کے پیڑا

صحبت میں پھنس گیا۔ اچھے اور بڑے لوگوں سے کیا
ہے راز نہیں۔ کیا مطلب؟“ آج کل میں دیے
خاک تعلقات رکھتا تھا۔ اس کی یہ بات مجھے تپا
نہیں کہ نکشس رہتا تھا۔ اب تو تمہی لوگ کچھ کرو۔“

”اگر خلوتوں ضرورت مند ہیں، باصلاحت ہیں تو میں
ایک آفردے سکتا ہوں۔“ رحیب منظور نے کہ شیخوپورہ والے
نہیں آپیٹھے

دونوں مکانیں بھی دیے ہیں۔ کرایہ لینے کی بڑی دردسری
کمی مادرم میں نے اپنے واٹے بلاک والے سپر اسٹور
کے لگوں ہے۔ جزل گرو سری بیمنٹ میں شفت
کردی ہے۔ کراؤنڈ فلور پر کراکری اور بچوں کے
کھلونے وغیرہ ہیں۔ اس سے اوپر کا سٹکس اور ریڈی
میڈ کپڑے وغیرہ اگلے ہفتے کے کیوں دن گرینڈ
ارٹنگ رکھوں گا۔ مجھے ایک لیڈی مینجر کی ضرورت
ہے جو کراؤنڈ فلور اور فرست فلور کا کام سنبھال لے۔
لیڈریز کی سولت کے لیے میں نے سیز کر لے بھی رکھی
ہیں جو اس کے ابذر کام کریں گے۔“

”واہ۔ اپنا مولوی تو بڑا رنگ رکھیں گے۔ آسے
بچپے لڑکیاں ہی لڑکیاں۔ اونے تیری وہ ہتل
بیوی سے اسے کوئی اعتراض نہیں؟ تو تو سانس بھی اس
سے پوچھ کے لیتا ہے۔ نویا جی۔ اجازت ہے؟“ میں
نے اس کی نقل اتاری۔

”یہ آئیڈیا اصل میں نویا کا ہی ہے۔“ وہ برا مانے
بغیر کہنے لگا۔ ”اور میں تو اپنے نسل روڈ والے اسٹور پر ہی
ہوں گا۔ وائے بلاک والا اسٹور کھر کے قریب ہے
دن میں ایک دوبار نویا وزٹ کر لیا کرے گی اور پھر لیڈی
مینجر اسی لیے تو رکھنا چاہ رہا ہوں جو سارا کام دیکھے
لے۔“

اس کے ساتھ ہی مجھے یاد آگیا کہ کل ناشتے کی نیل
چمیر ابھی رحیب کے بارے میں کیا اطلاع دینے والی
تھی۔ اگرچہ اس کی بات میں نے مکمل طور پر ان سے
کردی تھی، لیکن اب میں تصور کر سکتا تھا کہ وہ کیا کہنے
والی بھی۔

”زویا کو تو رکھو، بُرنس وو من پینے جا رہی ہے۔ کل
تک ماما می کے گھر فائے کر رہی تھی، اُن کے بچوں کی
آخرن پس کے اور موٹا جھوٹا کھا کے پہنے والی کے
کم عمری میں، ہی تم لوگوں کی واہیات اور تحریڑ کلاس

نصیب تو رکھو۔ نمیک کہتی ہے مجاہدہ اُن نے واقعی رجہ بھائی پر کوئی تعویذ کیے ہوئے ہیں ورنہ وہ اتنے مذہبی مولوی نائب آدمی، کماں بیوی کو اتنی چھوٹ دینے والے ہیں کہ وہ ”دکانداریاں“ کرتی پھر سے ایسے ہی چلا کیاں دکھاد کھا کے اصل میں یہ شوہر کی ساری جائیداد اپنے قبضے میں کرنا چاہتی ہے۔

یقیناً سکی بیان ہوتا اس کا۔ ”ویسے خاتون شریف تو ہیں؟“ یہ رجہ کا سوال تھا جس کا جواب نعمان سن ریا۔

”کیوں نہیں۔ ان کی شرافت کا اندازہ تم پچھلے چوبیں گھنٹوں میں آنے والے چار بیغامات سے لگائے ہو۔“

”اوہ شریف ہو یا نہ ہو۔ پو نیشل اور مختی تھے۔ تمہیں اور کیا چاہیے۔“ میں نے اس سے کہا۔

”تمہیں اپنے کام سے مطلب ہونا چاہیے جو وہ یقیناً ڈھنگ سے کر لے گی۔ وہی ملاقاتوں میں میں جلن گیا ہوں کہ وہ پلک یہشنگ میں کتنی باہلاحت ہے۔

”کیسی باتیں کروہی ہیں آپ دوست ہی لاست کے کام آتا ہے۔“ میں نے اپنی ملاقات کی بیکاری کو شکست کرتے ہوئے اس خاصیت کو نکالنے کی کوشش کرتے ہوئے اس خاصیت کو نہیں کیا۔ اس وقت ہم فون پر بات کر رہے تھے۔

”آئندہ بھی آپ کو جب بھی میری ضرورت ہے آنکھیں بند کر کے پکاریے گا۔ بندہ حاضر ہو جائے گا۔“

”کیوں نہیں، ضروری۔“ وہ فوراً میری خدمت حاصل کرنے کی راضی ہو گئی۔

”مجھے تولتائے ہے حیدر! کہ آپ وہی ہیں جو کہ مغلیق تھا۔“

”وہ میری شادی کوئی گناہ تو نہیں۔“ وہ مزید گویا ہوا۔

”تم اب تک چپ تھے یہ حریت انگیز امر تھا۔ مگر (زیر جعل) اپنے بونے پر ہوئی لمحے میں بڑھنے کی وجہ سے مرحلہ آسان کرنی جا رہی تھی۔ نئی جا بکی ذوق تھا۔“

(نہیں کی پہنچتے وہ شاید اپنے کنکرے کو گھاٹے مجھے ایں) میں نے اسے لمحے کی آفرودی۔

”وصولاً تو یہ کام مجھے کرنا چاہیے مگر باہر نہ کر سکتے یورچے غیر معمولی لک رہے تھے۔ لل میں ملبد میرے گھر پر، آپ پر سول یعنی اتوار کوچ میرے پاس کی تجوہ ہوئی۔ مگر اسی ہمہ سرپرستی کا واقعہ نہیں تھا۔“ (زیر جعل) میرے گھر پر میرے گھر پر میرے گھر پر میرے گھر پر میرے گھر میں تجھے۔“

خبری دتنا تھی کہ جتنی آمدی اسے گھر کر جائے، سردی میں سڑکوں پر مارے مارے پھر کے رکشوں کے دھکے کھاتے ہوئے حاصل ہوئے۔ تقریباً اتنی ہی کا انتظام ایک ایسی پائزٹ جا بڑی ہو رہا ہے جہاں اسے دن کے گیارہ بجے کر رات کے دس بجے تک ڈیفس کے سب سے پڑھ بلاک میں واقع پرسنل اسٹور کے ائر کنڈیشنڈ اسٹریٹ صرف درکر زکی نگرانی کرنا ہوگی۔ پک اینڈ ڈرائپر سولٹ کے ساتھ۔

وہ میری اوقاع سے بہت کے خوش ہوئے۔

”حیدر! آپ نہیں جانتے آپ نے میری کتنی بڑی مشکل حل کی ہے۔ یہ کام میں نے اپنے شہنشاہ سروع کیا تھا۔ لیکن اب میں تک آنے کلکی ہمیں از بیگار سے بستی چیخ کرنا پڑی ہے۔ بھی بھی تو بیش بھی مار لیتے تھے یہ ذریانتر۔ اب ذرا زیاد سکون ساتھ کام کر سکوں گی۔ آپ کا بہت برا احسان تھا۔ مجھے۔“

”کیسی باتیں کروہی ہیں آپ دوست ہی لاست کے کام آتا ہے۔“ میں نے اپنی ملاقات کی بیکاری کو شکست کرتے ہوئے اس خاصیت کو نکالنے کی کوشش کرتے ہوئے اس خاصیت کو نہیں کیا۔ اس وقت ہم فون پر بات کر رہے تھے۔

”آئندہ بھی آپ کو جب بھی میری ضرورت ہے آنکھیں بند کر کے پکاریے گا۔ بندہ حاضر ہو جائے گا۔“

”کیوں نہیں، ضروری۔“ وہ فوراً میری خدمت حاصل کرنے کی راضی ہو گئی۔

”مجھے تولتائے ہے حیدر! کہ آپ وہی ہیں جو کہ مغلیق تھا۔“

”وہ میری شادی کوئی گناہ تو نہیں۔“ وہ مزید گویا ہوا۔

”تم اب تک چپ تھے یہ حریت انگیز امر تھا۔ مگر (زیر جعل) اپنے بونے پر ہوئی لمحے میں بڑھنے کی وجہ سے مرحلہ آسان کرنی جا رہی تھی۔ نئی جا بکی ذوق تھا۔“

(نہیں کی پہنچتے وہ شاید اپنے کنکرے کو گھاٹے مجھے ایں) میں نے اسے لمحے کی آفرودی۔

”وصولاً تو یہ کام مجھے کرنا چاہیے مگر باہر نہ کر سکتے یورچے غیر معمولی لک رہے تھے۔ لل میں ملبد میرے گھر پر، آپ پر سول یعنی اتوار کوچ میرے پاس کی تجوہ ہوئی۔ مگر اسی ہمہ سرپرستی کا واقعہ نہیں تھا۔“ (زیر جعل) میرے گھر پر میرے گھر پر میرے گھر پر میرے گھر میں تجھے۔“

کمال کی جو تی بہی اس کے پیروں میں ڈلوادیں کے تو ہم میں سے کسی کو حریت نہیں ہوگی۔ وہ ہر حد عبور کر سکتے ہیں زن مریدی کی اور زنویا میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ ایسا کروا بھی سکتی ہے۔ یہ بدکنگ اور شاہنگ نہیں تو صدقتی عمل کے بارے میں ہے۔“

”ہم۔“ فاطمہ نے رنگے ہاتھوں پکڑا ہے اسیں۔ اپنی کسی ملاقی پافٹ کرنے سے پہنچیں بیمار ہے تھے۔ ”فاطمہ بھا بھی کو کیسے پہنچا چلا؟“ میں حیران تھا کہ جب ہمارے جسے جکڑی یاروں تک کو ہوانہ لگ سکی تو فاطمہ بھا بھی جیسی اپنے آپ میں کم رہنے والی گھرلو سلوی خاتون نے کیسے کھونج لکھا۔ ”میں نہیں مجیدہ نے بتایا اور مجیدہ کو۔“ ”پہلی پہنچ رہے ہے۔“ میں نہایت اٹھا کے

بچھدل کے ساتھ بڑھ رہا تھا۔ ”سبھالیں خود کو۔“ میں جانتی ہوں یہ بات آپ کے لیے صدقے کا باعث نہیں ہے، ظاہر ہے، لہاست کے لیے آپ کل ٹھہریں، میں آپ کے لیے لہاد سوڑا ہے، آپ کل کاروبار بھی اس پر وارنے لگا لالی ہوں۔“ نہ تسلی دیتے ہوئے کر کے سے نکلی گھر میرے دوستے مل کی تسلی کے لیے لہاد سوڑا ناکملی سارا تھا۔ یہ صدقہ مجھے براشت نہیں ہو رہا تھا۔ ”کیسے؟ کیسے ہو سکتا ہے یہ؟ کیسے کر سکتا ہے صدقتی یہ سب میرے ساتھ؟ صدقتی سے مجھے یہ امید نہیں ہے کہ وہ مجھے یوں روکو رہے گا۔“

”کیا ہو گیا ہے؟“ آپ کو کہیں اچاک جبرنے لگا پڑھنے اثر تو نہیں کر دیا۔“ حمیرا مٹکوں انداز میں مجھے گھوڑا پاس فی الحال دشائی سے رابطہ کر رہے اسے یہ خوشی کی آفرودی۔

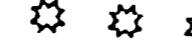
”آپ کے گھر میں ذرا سا کھلکھل۔ پھر خود کو تسلی لکھ کر مکمل کر لے ہوئے تو کچھ سوچ کے بھی بلارہی ہو گی۔“

”کون کون ہوتا ہے آپ کے گھر؟“

”تباہ لوگ نہیں۔ بس ہم وہی ہوتے ہیں کہ آج کل میں اکلی ہوں۔“

”ہم۔“ اس کی کیا مراد ہے یہ میں سمجھ نہیں پڑھ رہا ہے اس لیے نہیں طلب کر سکا کہ میراں تو اس کی اکلی بات میں ہی انکے گیا تھا۔ ”میں

”یہ کم جنت اتوار پر سول کیوں ہے؟“



”کہ ماں آئی؟“ حمیرا لپک کے میرے پاس

کھر میں داخل ہوتے ہی حمیرا لپک کے میرے پاس

تل اور یوں میرا بانزو روچ کے مجھے صوفے بھٹاتے ہوئے کہنے کی وجہ سے بھر جائے۔

”میں نہیں مجیدہ نے بتایا اور مجیدہ کے“

”کیا نہیں ہو سکتا۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟“

”میری صاحب بن کے پر اسٹور چلائے گا۔“

”بھنی چلتے۔ ایک بھر کی فرائی۔“ میں نے اپنے سینے

حمیرا اور مجیدہ کے دل جذبات کی بھرپور عکاسی کی، مگر اتنی کامیاب کوشش کے تر عمل کے طور پر حمیرا میں

ایک بار پھر ابل پیدا ہوا۔

”جی نہیں۔ یہ خبر پرانی ہو گئی۔ نہیا تو پچھلے پانچ سال سے بھی کر رہی ہے۔“ اب تو اگر رجہ بھائی اپنی

رہی تھی اس نے گلاں میرے ہاتھ میں پکڑا۔
”یہ سارے ڈانہ لکڑ تو میں ابھی ابھی فاطمہ سے
کن کر آ رہی ہوں اور اب آپ کے منہ سے ۔۔۔“
میں نے کچھ کے بغیر دوڑھ سوڑے کا گلاں منہ سے
لکھا اب اسے کیا تباہا کہ مدد مدد فاطمہ کے لیے جتنا
برٹا ہے اتنا ہی میرے لیے بھی ہے۔ مجھے سے یہ
برداشت نہ ہو پارہا تھا کہ میں تو ابھی تک دور ہی پیٹ
رہا ہوں اور اس کی گذی آسمانوں پر تچ بھی لڑانے
گئی۔ میں منصوبے بناتا رہ گیا اور اس نے پریم کمال
ترتیب بھی ہوئے ڈالی۔ مجھے جلد ہی کچھ کرنا ہو گا۔

* * *

”تم اتنای ذیل انسان ہو۔“ یہ میں تھا۔
”میسٹنے، گھنے۔“ پہ نائل نعمان نے دیا۔
”شرم آئی چاہیے تمیں۔“ یہ احساں رجبنے
دلایا۔

اسی رات کو باالی گئی ہنگامی میٹنگ میں ہم سب
صدیق یہ مل پڑے۔

”تم لوگ میرے دوست ہو، بجائے میرا ساتھ
دینے کے مجھ پر برس رہے ہو۔“

”تمہارا ساتھ؟ تمہارا ساتھ کس طرح دیں۔ یہ
بھی بتاؤ؟ کوئی اجتماعی شادی کی تقریب رکھ لیں کیا؟
جس میں تمہارے ساتھ ساتھ ہم بھی سرے باندھ
لیں۔ اور جتنے جوتے تمہیں فاطمہ بھابھی سے پڑنے
ہیں۔ اتنے ہی ہم بھی اپنی اپنی بیویوں سے کھائیں۔“
نعمان کو اپنی فلر تھی۔

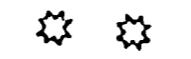
”تو کیا بات شادی تک پہنچ گئی۔ مگر یہ حسینہ ہے
کون؟ جس نے تمہارے جیسے زائد خلک کی قسم توڑ
(ڈالنٹ) ہے، اس کی نسبت (اکٹھر) اکٹھر میں کیا تھا۔“

روینہ۔ میری وہی کرزنے سے میں بچپن سے چابتا
تل نہیں ہے۔ شروع میں میں نے اسے نوٹ کے
راہوں پرستی کی، مجھے سب یاد آکیا۔ یہ وہی تھی جس کی
خابوش تھی محبیت میں وہ کئی سلسلہ اکٹھا تھا۔ مگر وہی تو یہ پتھر موم ہو گا۔ بھی
زمینی جس کی حملہ سے دوست برداری کا اعلان صدیق انتظار کب تک ہے تھک چکا ہوں میں۔ مجھے بھی کسی

کہیں اور کوئی رشتہ میرا مطلب ہے آپ کا کوئی
دوست، کرنے۔“ وہ الہیاں پورے ہوئے کہتی
بہت بکھری بکھری کی لگ رہی تھی۔ مجھے یکدم اس پر
بے حد ترس آیا۔ پتہ نہیں کیا بجوری ہے اس سے
چاری کوجوہ خود کو اتنا ارزش کر رہی ہے۔
”آپ مجھے اچھے انسن لگے تھے اور صاحب
حیثیت بھی۔ میرا خیال تھا آپ آسانی سے دو یوپاں
افروز کر سکتے ہوں گے۔ اس لئے ایسا کہہ دیا لیکن اگر
آپ کو براں گا ہو تو میں معدودت چاہتی ہوں۔ آپ جیزا۔
میری بیات کا کوئی غلط مطلب نہ کاہے گا۔“

اور غلط مطلب تو میں ضرور نہ کتا اگر اس کی
آنکھوں میں جعل ملاتے آنسو مجھے اتنے پچھے لگ
رہے ہوتے۔ میں نے اس سے پہلے کسی عورت کو
بیوی کو شش کی جسے صدیق نے رد کر دیا۔
”تم نہیں بھجو گے یہ مجہدہ بھابھی کی بے پناہ محبت
کی ہے جوں تھا۔ شک کرنے اور تم پر پرے بھانپے
بجورہ ہی۔ یہ محبت ہی اس ڈر کی وجہ ہے کہ کہیں تم ان
کی بجائے کسی اور کے نہ ہو جاؤ۔ ارے یار! اس رہتے
کہ تو اس ہی محبت ہے۔“

وہ اپنی بیٹ کا پا تھا، رجب کا سمجھانا، میرا ذرا اناسب
بے کار کیا۔



”کیا ہوا آپ کو؟ آپ اتنے جیلان کیوں
کے گھر جاتا تھا۔“ صبح سے ہی میں تیاریوں میں جتا ہوا
تھا۔ اس سے پہلے کی دونوں ملاحتوں میں میں اس سے
ہو رہے ہیں؟“ میرے سر پر بکھر چڑھنے کے بعد اب بعد
بھرہ معمودہ نبی میری حرمت کی وجہ دریافت کر رہی
نہیں۔ اس نے بات ہی ایسی کی بھی جس پر جتنا جیلان
ہوا جاتا کہ تھا۔ اس تیسری ملاقات میں میں اس کے گھر
کی کرنے آیا تھا اور وہ چھوٹتے ہی مجھے سے شادی کی
ٹوپیں سوت رکڑ کر شیو کرنے کے بعد میں نے اپنے
کھڑے ہوئے چڑھے پہ آفرشیوں کیا۔ رات کو جو ری
بانتے ہوں۔

”میں نے کوئی ایسی انسونی بات تو نہیں کر دی۔“

”صرف ایک پیٹکش کی ہے۔ اگر آپ کو منظور
نہیں تونہ سسی۔ کوئی زیر دستی تھوڑا ہی ہے۔“ اس کی
بھرالی ہوئی آواز کیپاٹی تھی۔ شاید بہت کر کے یہ
بنت کرنے کے بعد وہ خود شرمند ہو رہی تھی کہ اس نے
آج تم بڑے نکھرے ہوئے لگ رہے ہو۔ ہے تا
بیوی۔“

”اگر آپ اس پوزیشن میں نہیں تو اپنے ارد گرد
سفید باریک دھاریوں والا گرے کرتا۔ لٹھنے کی

ہی دم ساز کی ضرورت ہے۔ روینہ میری زندگی
دوست، کرنے۔“ وہ الہیاں پورے ہوئے کہتی
بہت بکھری بکھری کی لگ رہی تھی۔ مجھے یکدم اس پر
بے حد ترس آیا۔ پتہ نہیں کیا بجوری ہے اس سے

ہی دم ساز کی ضرورت ہے۔ روینہ میری زندگی
کے کیا تھا اور انہا شاندیز کے
لکھا ماری لفکی دوڑ کرے گی۔“

اس کے اپنے روئے تھے جن میں وہ کسی حد تک
تھے جب تھا فاطمہ بھابھی کتنی بھی سہمان نواز سلیقہ
نہ دیہن اور سکھر خاتون کیوں نہ ہوں۔ یہ بات تو ہم
ب نے محسوس کی تھی کہ مزاجاً یہ خاصی روکھی
ہمکا اور سرد مریضی اور کسی بھی مرض کو بیوی میں سے
کرم جو شی لور محبت چاہیے ہوتی ہے بعد میں اس کے
انہ کا زال القہ، انہن نے اس سے اختلاف کرنے کی
لہجہ کو شش کی جسے صدیق نے رد کر دیا۔

”جی، آپ کو کچھ چاہے؟ سو شیش لما آپ تے
روست لاوں آپ کے کیتے؟“

”وہ کب طلاق یافتہ ہوئی؟ کب صدیق کے ہل نے
دوبار پہنچا کیا تھا۔ یہ معتمہ تھا۔“

”مگر وہ تمہارے فرمودات وہ شادی شدہ زندگی کی
بنیاد دیانت واری اور سچائی جیسے اصولوں پر رکھنے کی
باتیں، وہ وفاداری کے الابس وہ سب کیا ہوا؟“

”سب اصول مجھے اکٹھے پر تو لا گو نہیں ہوتے۔ کیا
میں نے کوئی کو شش نہیں کی تھی اپنی نئی زندگی ایمان
داری سے جینے کی؟ تم خود تاو۔ کامیں نے سب بھول
کے فاطمہ کا ہونا نہیں چلا تھا؟ مگر ہوا کیا؟ کہ مجھے
نہیں۔ اس لیے کہ صرف میری محبت میری وفادار
میری قربانیاں اس رشتے کو قائم رکھنے کے لیے ہائی
ہیں۔ وہ سری جانب سے بھی تو کوئی کثری یوشن ہو
چاہے۔ فاطمہ نے میری محبتوں کو اپنا حق جان کے
وصول اگر میرا حق کبھی ادا نہ کیا۔ کوئی ایک مشاہبوں۔

کوئی ایک پیار بھری نظر پر کچھ بھی تو نہیں ہے میرے
پاس۔ تیرہ سال میں نے کسی بیوی کے نہیں، ایک
بیوٹ کے ساتھ گزارے ہیں۔ ایک ایسا بڑوٹ جو
اپنے سارے فرانچ درست طریقے سے انعام رہتا
ہے جسے جو کہا جائے وہ کرتا ہے، بس نہیں گراہا
محبت نہیں کرتا۔ خیال نہیں کرتا، حس نہیں کرتا۔
کیونکہ یہ سب کرنے کے لیے دل کی ضرورت ہوتی
ہے جو روٹ کے پاس نہیں ہوتا۔ فاطمہ کے پاس بھی
روینہ۔ میری وہی کرزنے سے میں بچپن سے چابتا
تل نہیں ہے۔ شروع میں میں نے اسے نوٹ کے
راہوں پرستی کی، مجھے سب یاد آکیا۔ یہ وہی تھی جس کی
خابوش تھی محبیت میں وہ کئی سلسلہ اکٹھا تھا۔ مگر وہی تو یہ پتھر موم ہو گا۔ بھی
زمینی جس کی حملہ سے دوست برداری کا اعلان صدیق انتظار کب تک ہے تھک چکا ہوں میں۔ مجھے بھی کسی

کمر کھڑا تی سفید شلوار۔ پٹلوری چپل، لباس خوشبو میں بھیگا ہوا۔ بل جیل سے سئے ہوئے ہاتھ میں اپنا نیا نیتی سیل فون تھا۔ میں گاڑی کی طرف بڑا۔

سین۔ یہ حیرا کی آواز تھی۔ اس نے ایک اور بیویوں والی حرکت کی۔ بھی۔ یعنی پیچھے سے آواز دی سین۔ میں بد مرزا ہوا۔

”کیا ہے؟“ کاٹ کھلنے والے انداز میں، میں دھاڑا۔

”آج آپ بہت اچھے لگ رہے ہیں۔“ مٹھی بند کر کے اس نے میرے سرپہ بلند کی میں بچاؤ کیلے جگ کیا۔

”تو کجا چھا لکنے کی پاداش میں تم مجھے کے ماروگی؟“ سخت متוחش انداز میں دنوں ہاتھ آگے کر کے اس کا دارو دکھتے ہوئے میں نے پوچھا۔

”ہمیں بھی، ہر وقت مذاق۔ یہ تو میں مرچیں وار رہی ہوں تاکہ نظر نہ لگ جائے کی کی۔“ میں غور سے اسے دیکھنے لگا۔ یہ واحد حرکت تھی جو بیویوں والی نہیں تھی۔ اور میری بیوی کر رہی تھی۔

”محب سلاتس۔“ اب یہ میں چولے میں جھوکوں کی، تاکہ ساری بڑی بلا میں دور ہو جائیں۔

”ایک آدھ بچی رہے تو کیا حرج ہے؟“ میں نے دل ہی دل میں کھل۔ شبانہ اقبال ناؤں میں واقع گنجان علاقے کی ایک بلڈنگ کے گھروں کوپرے واقع تلیٹ میں رہتی تھی۔ میں نے ایک سنداد آلس کریم کیک ایک بڑا سابوکے اور پچھے پھل بھی خرید لیے دراصل مجھے اس سے پہلے پہ تجربہ نہ تھا کہ کسی ”لڑکی“ سے اس کے گمراہی دفعہ ملنے کے لیے جاتے ہوئے کپالے کر جانا۔

”کیا ہوا حیدر؟“ وہ جلدی سے کپالے آئے۔ ”پہلے آپ مجھے بتائیے یہ قصہ کیا ہے؟ آپ مجھے دھنک سے جانتی نہیں اور چلی ہیں اپنی بیٹی کا رشتہ زینے اور وہ بھی اغیس سال کی خوبصورتی ایسی کی پہلی دفعہ ملنے کے لیے جاتے ہوئے کپالے کر جانا۔

”خوش تو نظر آئی رہی گھر۔“ مگر صاف لگ رہا تھا کہ وہ مجھ سے کچھ کھانا بھکاری نکالنا تو نہیں چاہتا تھا۔ اگر آپ نے اصل بات نہ تھی تو مجبوراً ”مجھے وہی مطلب درست ماننا پڑے گا جو ان واقعی لذپذی تیار کیا تھا۔ کھانے دکھنے بعد جائے سیتر۔“ حالات میں نکلا جاسکا۔

”نہیں نہیں حیدر! میں ایک باعزت گمراہ نے جس نے میرے جوہ طبق رہن شکر کے رکھ دیتی دیتی تعلق رکھتی ہوں۔ آج حالات کی ختنگی کی وجہ سے گمراہی کی جگہ کار دامن کرنے لگا۔“ بات رہنی دیتی دیتی تھی۔

میری ہر فریاں پوری کرنا اپنا فرض جانتے تھے۔ میری شادی کم عمری میں ہو گئی تھی اس لیے بنا بھی کمل نہ کر پائی۔ پیوہ بھی کم عمری میں ہی میں موصوف چھپل کی تھی اور میں صرف پیکس مل کر میرا میکہ تو رہا نہیں۔ میں الکوتی تھی اور ملکا پ مجھے بیاتے ہی گزر چکے تھے۔ کہنے کو چھا تایا، میں سب تھے، ٹکر کی نے مجھے تیسم اور بیوہ بے سارا بیوی کے سرپہ ہاتھ نہ رکھا۔ میں نے سراہ میں پناہ داش کرنا چاہی، ساس کی زندگی تکندو سال جیسے تھے زاری یہ بعد میں جھانیوں، دیور انیوں نے ایکا کر کے نہیں دیا۔ مت پوچھیے کہ کہاں کہاں ہاتھ پھیلایا۔ کس کس درے نامید ہوئی۔ سب اپنے تھے مگر مشکل ان کا ایک سیڈنٹ ہو گیا تھا۔

ہر وقت شموکی فکر لاحق رہتی ہے۔ میرے پاس نہ زیور ہے نہ کوئی جمع کی ہوئی رفتہ کہ اچھا رہتہ ڈھونڈ لوں۔ خاندان والے لوچھتے تک نہیں، بیٹی کیا لیں گے۔ اس لئے خود ہی کو ٹھیک کر کے دکھنا چاہا کہ شاید بیٹی کا گمراہ سالوں۔ میرا خیال تھا کہ کوئی کم عمر لڑکا جو ابھی خود اپنے پیروں پر کھڑا ہو، اس سے بہتر ہے کی مفہوم طیعت والے شخص کو پناہ اور مادرتاوں۔ ”رندھا،“ طلاق یافتہ ہو یا بے شک کوئی جسمانی عیب ہو۔ جو میری بیٹی کی قدر کرے گئے تھنڈا۔

میرے سامنے وہ عورت بیٹھی بورہی تھی، جس کے بارے میں کل تک میں بڑے سل شین خواب دیکھ رہا تھا۔ آج وہ مجھے ایک بھروسے زیادہ کمھ محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ اس کے آنسو مجھے شرمندگی کی اعتماد کمراویوں میں دھلیں رہے ہیں۔

”آپ کی خاموشی یہ ثابت کر رہی ہے حیدر! کہ میرا فیصلہ غلط ہے۔ نہ صرف فیصلہ بلکہ طریقہ بھی سچا۔“ میں ماننا ہوں، اتنی پر کہ تو ہے مجھے میں۔ آپ واتھ ایک باعزت خاتون ہیں، مگر یہ سمجھ میں نہیں آرہا کہ یا کیک اپنی کم عمر بیٹی کو ایک شادی شدہ بال بچے دار اُوں سے بیانہ پہ کیوں تلثی ہیں؟“

”میرے مل بآپ نہیں تھے۔ مگر چھا تھے، جن کے سارے پہ بچپن گزارا تھا۔ ماںوں تھے جو بھی میں پچھے دی رکھ کر کے لیے اپنے آپ سے بھی الگ ہو پاتا۔“

”کیا۔“ مجھے لگا، شاید مجھے سے سننے میں نہ ہوئی ہو۔

”حیدر! کیا آپ میری بیٹی سے شادی کریں کے؟“ اس نے اپنا سوال ایکبار پھر دو ہر لایا۔ ”بہت پاری ہے۔ آج کل ہاشم میں ہوتا ہے۔ کماز کم وہل سکھنواز ہی ہے۔ میں سارا دن کھڑا نہیں ہوئی اور جوان لڑکے یہ علاقے اس لیے میں نے اسے ہاشم میں داخل کرایا ہے۔ لی ایسی کے فائل ائمہ میں ہے۔ اسی سال کی ہے۔ مہماں انہوں نے خوش شکل بادب اور سانہ مزانج کی ہے۔ آپ بہت خوش رکھے گئے۔“

”آپ آپ کس قسم کی حفظ کرو رہی ہیں؟“ میرا انداز کچھ سخت ہوا تو وہ مجھ کے رہ گئی۔

”آپ مجھے اچھے انسان لگے تھے اور ملابھیت تھی۔ میرا خیال تھا آپ آسیل سے لا یویا۔“ آپ وہ صاحت پیش کر رہی تھی۔ ”گر آپ کو برا لگا ہو تو میں معافی چاہتی ہوں۔ آپ پلیز میری بات کا کوئی غلط مطلب۔“ اب اس معدور کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

”اگر آپ خود نہیں تو اپنے ارد گرد کیس اور کوئی رشتے۔“ ایک نئی نہیں کاٹ۔

میرا سر جکڑا گیا جسے میں نہ دنوں ہاتھوں سے قام لیا۔

”کیا ہوا حیدر؟“ وہ جلدی سے کپالے آئے۔ ”پہلے آپ مجھے بتائیے یہ قصہ کیا ہے؟ آپ مجھے دھنک سے جانتی نہیں اور چلی ہیں اپنی بیٹی کا رشتہ زینے اور وہ بھی اغیس سال کی خوبصورتی ایسی کی پہلی دفعہ ملنے کے لیے جاتے ہوئے کپالے کر جانا۔ اسٹوڈنٹ بیٹی کا۔“ چکر کیا ہے؟ میں کوئی غلط مطلب چاہیے۔ شبانہ میری آمد سے خوش تو نظر آئی رہی مگر۔ مگر صاف لگ رہا تھا کہ وہ مجھ سے کچھ کھانا بھکاری نکالنا تو نہیں چاہتا تھا۔ اگر آپ نے اصل بات نہ تھی تو مجبوراً ”مجھے وہی مطلب درست ماننا پڑے گا جو ان واقعی لذپذی تیار کیا تھا۔ کھانے دکھنے بعد جائے سیتر۔“ حالات میں نکلا جاسکا۔

”نہیں نہیں حیدر! میں ایک باعزت گمراہ نے جس نے میرے جوہ طبق رہن شکر کے رکھ دیتی دیتی تعلق رکھتی ہوں۔ آج حالات کی ختنگی کی وجہ سے گمراہی کی جگہ کار دامن کرنے لگا۔“ بات رہنی دیتی دیتی تھی۔

گھر آتے ہی حیرا کو سراہیہ سی حالت میں بچوں سمیت گھر سے نکلتے دیکھا، وہ بیرونی دروازے کو تلا لگارہی تھی۔

”میں نے تو پچھے کیا بھی نہیں۔“ اس بار بھی مجرمتی طور پر میری شرافت برقرار رائی۔ ”پھر یہ گھر چھوڑ کے کیوں جا رہی ہے۔ اور یہ آنسو یہ ٹھہراہش“ میں گاڑی اشارت چھوڑ کے اس کی جانب پلکا۔

”حیدر! آپ آگئے شکر سے موبائل کیوں آف تھا آپ کاہمیں کب سے ڈالی کر رہی ہوں؟“

”ہوا کیا ہے؟ پچھے نے کر کمال جا رہی ہے؟“ ”انہیں امی کی طرف چھوڑ کے ہاسٹل جا رہی تھی۔ مجادہ کا فون آیا ہے۔ فاطمہ کی حالت بہت سیریس ہے۔ اس نے خود کشی کرنے کی کوشش کی ہے۔“

* * *

آئی سی یو کے دروازے سے لگا ہے آواز آنسو باتا وہ صدیق بادوہ تھا۔ میں نے اس کے شانے پہ ہاتھ رکھا۔

”میں نہیں جانتا تھا وہ مجھے اتنا چاہتی سمجھتے کسی کے ساتھ شیر کرنے سے مر جانا زیان بہتر سمجھتی ہے۔ میں نہیں جانتا تھا ورنہ ایسا سوچتا بھی نہیں میرا تو خیال تھا اسے میری پرواہی نہیں ہے۔“

”یار! یہ عورت چیزیں ایسی ہے۔ سمجھنا چاہو بھی تو بکھر میں نہیں آتی۔ اور اس کی محبت وہ تو خیر ہے ہی ماقابل یعنی حد تک نکل چینے جو محبت کرنی ہے اس کی محبت، میں نظر نہیں آتی اور جہاں نظر آنے لگتی ہے وہاں اصل میں ہوتی ہی نہیں۔“ آج فلسفہ بکھارنے کا میرا پورا ابو الحق بننا تھا۔ زندگی نے سبق کی ایسا شکر میں ایسا شکر کیا۔

”محک کرتے ہو، رومنیت ایک سراہت تھی۔ ایک سراہت خوش نہیں تھی۔“ جو بھی ہاتھ نہیں آٹھا۔ یہ میری سراہت کم فرمی تھی جو میں اس کا مقابلہ فاطمہ ہے کرنے طلاق اور حسب روایت، ہم سب کسی ایک کے مگر انہیں

جس کے آگے دم مارنے کی اس کی محلہ تھی۔ وہی زویا۔ جس کے بارے میں سب کی متفقہ رائے تھی کہ اس نے اپنے شوہر کو پسہ وال رکھا ہے۔

ہب کچھ سلسلے جیسا ہے۔ ہب میں سب کا کھانے کے بعد ڈرائیک روم میں دی ہم سب کے سفر کے اپنے اور دیگروں کا مقابلہ کرتا۔ اتنے ہو کے سفر کے اپنے اور دیگروں کے کھسپھر حادثے کے بارے میں بتایا تھا تو یہ تاکید بھی کی تھی کہ اس کی خبر اپنی بیوی کو نہ ہونے دیتا ورنہ میزاندگی بن جائے گا اور حیرا بھی چونکا ہو جائے گی۔ مگر اس نے بھی اور ہمارے بچوں کا باجماعت بیٹھ کے کارٹون نیٹ وکد کھنا۔

لیکن بہت کچھ ایسا بھی ہے جو پہلے بھی دن جب شبانہ اس سے ملنے آئی تھی تو زویا نے اسے نہیں تھا۔ ایک تو یہ کہ آج ہماری نظروں میں رب ملازمت پر رکھ لیا تھا۔ اپنی عادت سے مجبور وہ کچھ ہی دن بعد زویا قسم سے شوکے بارے میں اپنی تشویش کا اظہار کر رہی تھی اور اس سے کوئی معقول رشتہ تلاش کرنے کے لیے کہہ رہی تھی۔ اب یہ بات کچھ میں نہیں آتی کہ رشتہ تو کمیں اور کوئی سابقی تلاش کیا جاسکتا تھا اگر واقعی زویا کو شبانہ اور اس کی بی بی شمو سے ہمدردی کا بخار اٹھ رہا تھا تو۔ پھر آخر حرب ہی کیوں؟ زویا نے پتہ نہیں کیا والاں دے کر اسے راضی کیا ہو گا، ورنہ وہ تو زویا کے علاوہ کسی اور کو دیکھنے کا بھی روا دار نہ تھا۔ کی وجہ تھی جو ہم یعنی دوست اس پر رشک کر کر کے بے حل ہو رہے تھے۔

یک نہ شد روؤں شد۔ ایک چوبیں سالہ، اور ایک انیس سالہ حسین یو۔

اب رب کی چاہے خواہشی ہو یا نہ ہو مگر اسے وہ وہ حوریں اس دنیا میں ہی مل گئی تھیں۔ اور اس کے لیے بھی وہ خدا کے بعد زویا کا ہی شکر گزار تھا۔

”تم نہیں جانتے حیدر! وہ کتنی غظیم لڑکی ہے، کہتی ہے کہ میرے پاس آج جو ہو ہے میری اوقات اور میری طلب سے بہت زیادہ ہے۔ ہو سکتا ہے آپ کو اللہ نے جو اتنا زیان نوازا ہے وہ میرے علاوہ کسی اور کے نصیب کا بھی ہو۔ آپ اسے سارا دے دیں، ثواب کا کام

ایک بڑی تبدیلی یہ بھی تھی کہ ہم چاروں اب تک پہاری تھے وہی چارسے میں، حیدر مجید، نعمان علی، رب منکور اور صدقیت باجوہ۔

گھر ان چاروں میں ایک اور کا اضافہ ہو چکا ہے۔ لب و پانچ ہیں۔ حیرا یعنی سمزیدر۔ مجادہ یعنی سمز نعمان۔ فاطمہ یعنی سمز صدقیت۔ زویا یعنی سمز رہبنت۔ اور شمو۔ بھی سمز رب منکور ہے ناکمل کیا ہے۔

رب منکور کی یہ شادی خود زویا نے کرائی ہے اس کام عمر حسین اور خوش مزاج نہیں کھہ بیوی نے جاؤں گے۔

بچے ہیں اور وہ گھر اس بارہ رب منکور کا ہے۔

وہی ہم سب کا کھانے کے بعد ڈرائیک روم میں دی ہم سب کے سفر کے اپنے اور دیگروں کا مقابلہ کرتا۔ اتنے ہو کے سفر کے اپنے اور دیگروں کے کھسپھر دی ہماری بیکاںت کا لاوچ میں بیٹھ کے کھسپھر کر لے۔ اور ہمارے بچوں کا باجماعت بیٹھ کے کارٹون نیٹ اور ہمارے بچوں کا باجماعت بیٹھ کے کارٹون نیٹ دیکھنا۔

پارے پارے بچے پر سکون گھرے اور کیا رہی تھی وفا اور محبت کا ثبوت؟ تو آج وہ بھی مل گیا۔

ثبوت مجھے بہت منگ پڑ رہا ہے حیدر! خدا نخواست اے پچھے ہو گیا تو میں کیا کروں گا۔ میرے بچے ایک عورت بن بات کے بچے پھر بھی کسی نہ کسی طریقہ لیتی ہے حالانکہ وہ کتنی گزور ہوتی ہے مگر مذاقہ غیر رکھتے ہوئے بھی بن مل کے بچے نہیں پال سکتا۔ ذمہ داری تن تھا میں اٹھا سکتا۔“

میری آنکھوں کے آگے پھر سے روٹی ہوئی شبانہ آگئی۔ ایک دن بات کی بچی کی مجبور سی ہوئی ملے۔ اس کا مستقبل محفوظ کرنے کے لیے ہاتھ پیرا رہنے تھی۔ الٹی سیدھی کو ششیں کر رہی تھی۔

”تم بہت سنجیدہ ہو؟“ کلمے میں رب منکور پھر سے پڑا۔ ”بس وہ فاطمہ بھا بھی کی کندیش۔ صدیق کی پرشانی۔“ میرے حواز تراشے۔

”میں ہوئی اور بات بھی سے۔“

تب میں نے اسے شانہ کے گھروالا واقعہ سن لیا۔ خاصاً زہر تھا، بالکل ہی پتھل کے رہ کیا۔ ”بجھوڑی انسان سے کیا کچھ نہیں کرتا۔ اب تو نہ سفارش نہ بھی کرو تو یہ حباب میں اسے ہی لول کے زویا سے کھکھ لے۔ اسے شکر تھا کہ اس نے تفویذ گندوں کے زریعے مولوی رب کو قابو میں کر رکھا ہے اور اب لے لیں ہو گیا تھا کہ مولوی رب نے ہی الٹی بید میں دو ایساں گھلا کے بھولی بھالی زویا کارماں توازن ہے۔“

ان چاروں کا۔ کوئی بات راز نہیں رکھا تھی۔“

”تم فکر مت کرو۔“

خدا کا شکر کے کہ صدقیت کی دعا میں رہ گلا ایں اور فاطمہ بھا بھی زندگی کی طرف لوٹ آئیں۔ انہیں واپس لانے میں وہ بارے وعدے اور قسمیں بہت معاف ہے اسے ملے۔ ہاتھ ہوئے جو صدیق نے ان کا ہاتھ تھام کے رونے میں ہے۔“

فلسفہ بکھارنے کا میرا پورا ابو الحق بننا تھا۔ زندگی نے سبق کی ایسا شکر میں ایسا شکر کیا۔

”محک کرتے ہو، رومنیت ایک سراہت تھی۔ ایک سراہت خوش نہیں تھی۔“ جو بھی ہاتھ نہیں آٹھا۔ یہ میری سراہت کم فرمی تھی جو میں اس کا مقابلہ فاطمہ ہے کرنے طلاق اور حسب روایت، ہم سب کسی ایک کے مگر انہیں

وہ عقیدت سے چور چور لجئے میں کہہ رہا تھا۔ مگر

میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ اصل بات پچھا اور کے میں نے یہ اصل بات جانے کے لیے وہی کیا جو پچھلی ایسی گیند رنگ میں کیا تھا، یعنی پردہ اٹھا کے ”جمالتی“ ماری۔ خواتین کی محفلِ حتم ہونے کے قریب تھی۔ تموجاۓ کے برتن اٹھا کے لیے جا رہی تھی۔ مجاہدہ اس کی مدد کرنے لگی۔ اندر سے میرے بیٹے کی قیچی کی آواز پہ حمیرا سامنے والے کمرے میں چلی تھی۔ اب وہ فاطمہ اور زویا بیٹھی تھیں۔ پھول والے کمرے سے رحبا اور زویا کی ایک سالہ بچی گھٹنیوں کے مل چلتے ہوئے لاوچ میں آئی۔ زویا نے لک کے انی اکلوتی بیٹی کو گود میں لے لیا۔ فاطمہ بھا بھی شکر اتی نظریوں سے ماں بیٹی کے والہانہ انداز دیکھ رہی تھیں۔

”تم نے بہت بروقت اور درست فیصلہ کیا ہے زویا؟“ اس سے پہلے کہ مزید اولاد کی تربیت یا نرینہ اولاد کی طلب رحبا بھائی کو خود کوئی قدم اٹھانے پر مجبور کرتی، تم نے یہ فیصلہ اپنے باتھ میں لے کر نہ صرف انہیں اپنی محبت کے سحر میں جکڑ لیا ہے بلکہ یہ لڑکی بھی تم سے دبکے رہے گی، تمہاری احسان مند ہو کے۔“

”میں کسی کو احسان تلے دیا کے نہیں رکھنا چاہتی تھی۔ میری خواہش تھی کہ میرے شوہرنے جس طرح مجھے محبت، غرمت، ملن اور تحفظ دیا ہے میں بھی اسے پچھا نہ کچھ دوں۔ مگر میں تو ایک صحت مند اولاد تک دینے کے قابل نہیں۔“

اچانک میرے ذہن میں جھما کا ہوا۔ رحبا کی پیچگی جو شادی کے چار سال بعد پیدا ہوئی تھی پیدا اسی انداز میں تھی۔

”وہ اکڑز صاف صاف کہہ چکے تھے میری ہر اولاد میں نہیں تابنا پن سکے تو یہ فیصلہ جانشینی ہیں۔“ تریخ میں اس کی اواز بھیک تھی۔

”اگر ہر اولاد میں نہیں تابنا پن سکے تو یہ فیصلہ جانشینی ہیں۔“ تریخ میں اس کے تجھے لکھا کر جو اسی ایجاد کر لائے ہوئے تھے میں نے دیکھ لیا تھا کہ سامنے والے کمرے سے نکلتی تریخ حمیرا اولاد کے تجھے لکھنے کا لگانے کا ایجاد کر لائے ہوئے تھے، بلکہ